# کیوں نصیحتیں ناکام رہتی ہیں اور عمل جیت جاتا ہے

اقدار (Values) الفاظ کے ذریعے نہیں سکھائی جاتیں—انہیں زندگی کے عمل سے کشید کیا جاتا ہے۔ بچے سننے سے زیادہ دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں؛ وہ اس سے سیکھتے ہیں جو وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں، نہ کہ اس سے جو انہیں زبانی بتایا جاتا ہے۔ ہر مستقل عمل ایک سبق بن جاتا ہے، جبکہ قول و فعل کا تضاد ایک کشمکش پیدا کرتا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اعلیٰ اقدار کی جڑیں مضبوط ہوں، تو ہمیں خاموشی اور خلوص کے ساتھ پہلے خود ان کا پیکر بننا ہوگا۔ کیونکہ بہرحال ، کردار کی تعمیر محض زبانی ہدایات سے نہیں ہوتی—بلکہ یہ اس ماحول سے پروان چڑھتی ہے جو ہم تخلیق کرتے ہیں۔

میں نے یہ شکایت پہلے بھی کئی بار کی تھی، لیکن اس بار میری آواز میں جھنجھلاہٹ تھی: "ہم بچوں کو اعلیٰ اقدار سکھانے کی کوشش تو کرتے ہیں،" میں نے کہا، "لیکن کسی طرح وہ ان کے ذہنوں پر نقش نہیں ہو پاتیں۔"

انہوں نے میری طرف دیکھا اور سر ہلایا، جیسے وہ اسی جملے کے منتظر ہوں۔ انہوں نے کہا، "یہ اس لیے ہے کہ ہم وہ چیز 'سکھانے' کی کوشش کر رہے ہیں جو صرف 'اپنائی' جا سکتی ہے۔" انہوں نے وضاحت کی کہ والدین، اساتذہ اور ادارے یکساں طور پر ایک بہت بڑی غلطی یہ کرتے ہیں کہ وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اقدار بچے کی زندگی میں اسی طرح شامل ہوتی ہیں جیسے کہ معلومات۔ گویا سچائی، احترام، صبر یا ذمہ داری جیسے اوصاف محض الفاظ کے ذریعے منتقل کیے جا سکتے ہوں۔ پھر انہوں نے سادہ الفاظ میں کہا، " ایسا ممکن نہیں۔ "

بہت سی اقدار جذباتی اور فکری نشوونما کے کئی مراحل سے گزر کر ہی معنویت اختیار کرتی ہیں ۔اور یہ جانتے ہوئے بھی ہم انہیں بچپن ہی میں—رسمی اور زبانی طور پر—بچوں پر زبردستی ٹھونسنے کی ضد کرتے ہیں، اس سے کہیں پہلے کہ بچے میں انہیں سمجھنے کی اندرونی صلاحیت پیدا ہو۔ ہم انھیں لیکچر دینا شروع کر دیتے ہیں، اور یہ وعظ و نصیحت ہمیں

ایک تعمیری کام محسوس ہوتا ہے۔ ہمیں لگتا ہے کہ محض الفاظ کے ذریعے ہی سہی آخر ہم بچوں کی کردار سازی پر محنت تو کر رہے ہیں، اس سے ہماری فکر مندی بھی ظاہر ہوتی ہے اور پھر اس سے ہم خود کو مطمئن کر لیتے ہیں۔

مگر یہ بچے کی شخصیت کو شاید ہی کبھی کوئی شکل دے پاتی ہو۔

انہوں نے ایک ایسی مثال دی جو مجھے تکلیف دہ حد تک جانی پہچانی لگی: اساتذہ اکثر کہتے ہیں کہ "ہماری توجہ کردار سازی پر ہے۔ اور ہم ہر کلاس سے پہلے دو منٹ کا اخلاقی درس بھی دیتے ہیں۔" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ دو منٹ کی نصیحت اکثر فائدے کے بجائے نقصان زیادہ پہنچاتی ہے۔"

کیوں؟

اس لیے کہ یہ خاموشی سے بچوں کو یہ سکھا دیتی ہے کہ اقدار محض کہنے کی باتیں ہیں، جینے کی نہیں۔ انہوں نے اپنی بات جاری رکھی، "میں دو منٹ بولوں گا، اور پھر میں اور تم دونوں اسے بھول جائیں گے۔" بچہ اسے فوری طور پر بھانپ لیتا ہے۔ انہوں نے اس کے بعد کی صورتحال بیان کرتے ہوئے کہا کہ اخلاقی درس کے فوراً بعد اگر کوئی طالب علم لطیفہ سنائے، تو استاد کا ردعمل طنز سے بھرپور ہوتا ہے—جو بعض اوقات اس لطیفے سے دس گنا زیادہ کاٹ دار ہوتا ہے۔ اور پھر کسی دوسرے طالب علم کی تذلیل کر دی جاتی ہے۔ بدتمیزی کو برداشت کیا جاتا ہے اور تلخی ایک معمول بن جاتی ہے۔ انہوں نے کہا، "تب بچہ سیکھتا ہے کہ 'حقیقی زندگی' کیسی ہوتی ہے۔ نصیحت محض ایک رسم بن کر رہ جاتی ہے اور رویہ حقیقت بن جاتا ہے۔"

مجھے احساس ہوا کہ بچے تضاد کو بھانپنے میں کتنے ماہر ہوتے ہیں۔ وہ بحث نہیں کرتے، وہ احتجاج نہیں کرتے؛ وہ صرف مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنی سمجھ بوجھ کو اسی سانچے میں ڈھال لیتے ہیں۔ وہ یہ نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں کہ "اخلاقی اقدار محض دکھاوے کی چیزیں ہیں۔"

انہوں نے ایک باریک مگر اہم نکتے کی طرف اشارہ کیا: "جب اقدار سمجھ آنے سے پہلے ہی سکھا دی جائیں، تو وہ صرف شور بن کر رہ جاتی ہیں۔" بچہ الفاظ دہراتا ہے، نعرے یاد کر لیتا ہے اور ضرورت پڑنے پر کر کے بھی دکھا دیتا ہے، لیکن

اندرونی طور پر کچھ بھی تبدیل نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا، "اور جب زندگی کسی حقیقی دباؤ کا سامنا کرتی ہے، تو وہ اقدار بھاپ بن کر اڑ جاتی ہیں۔"

انہوں نے اس کے برعکس ایک مختلف رویہ پیش کیا: "کیا ہو اگر صبر پر لیکچر دینے کے بجائے، آپ بچوں کو 'صبر' کا مشاہدہ کرنے دیں؟ کیا ہو اگر وہ بڑوں کو کسی بھی ردِعمل سے پہلے تھوڑا رکتے ہوئے دیکھیں؟ کیا ہو اگر وہ دیکھیں کہ اختلافِ رائے ہوتے ہوئے بھی کیسے تہذیب کا دامن نہیں چھوڑا جاتا؟ کیا ہو اگر وہ دیکھیں کہ بغیر کسی دفاعی رویے کے اپنی غلطی کا اعتراف کیسے کیا جاتا ہے؟" انہوں نے کہا، "یہ طرزِ عمل ایک جملہ کہے بغیر بھی سب کچھ سکھا دیتا ہے۔"

انہوں نے ایک مختصر قصہ سنایا: ایک استاد نے اپنی کلاس سے کہا، "سچائی نمبروں سے زیادہ اہم ہے۔" ایک ہفتے بعد جب ایک طالب علم نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنا ہوم ورک مکمل نہیں کیا، تو استاد نے اسے سب کے سامنے رسوا کیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا، "اس طالب علم نے کیا سبق سیکھا؟ سچائی نہیں، بلکہ یہ کہ اپنا ذاتی دفاع سچائی سے مقدم ہے۔" انہوں نے وضاحت کی کہ بچے اقدار کی مزاحمت نہیں کرتے، وہ منافقت کی مزاحمت کرتے ہیں" انہوں نے کہا، "جب قول اور فعل میں تضاد ہو، تو بچہ ہمیشہ فعل کا ساتھ دیتا ہے۔ کیونکہ عمل سچا محسوس ہوتا ہے"۔

میں نے وہ سوال پوچھا جو مجھے پریشان کر رہا تھا، "تو پھر ہمیں اس کے بجائے کیا کرنا چاہیے؟ کیا کچھ بھی نہ کہیں؟"

وہ مسکرائے اور بولے، "کم کہو، جیو زیادہ۔" اقدار کو مسلسل اعلان کی ضرورت نہیں ہوتی، انہیں تسلسل کی ضرورت ہوتی ہے۔ احترام والا ماحول احترام سکھاتا ہے؛ پرسکون ماحول ضبطِ نفس سکھاتا ہے؛ اور سچائی پر مبنی ماحول جھوٹ کو غیر ضروری بنا دیتا ہے۔ انہوں نے مجھے یاد دلایا کہ اقدار ہمارے ارد گرد ہونے والے واقعات سے جذب کی جاتی ہیں، نہ کہ ہدایات سے۔ انہوں نے کہا، "ماحول ہی اصل نصاب ہے۔" بچے اس بات پر غور کرتے ہیں کہ کس کی بات کاٹی گئی، کسے توجہ سے سنا گیا، کس کا تحفظ کیا گیا اور کس کا مذاق اڑایا گیا۔ وہ بہت جلد سیکھ جاتے ہیں کہ اصل میں کون سی چیز اہمیت رکھتی ہے۔

پھر انہوں نے ایک ایسی بات کہی جس نے ذمہ داری کا بوجھ دوبارہ مجھ پر ڈال دیا: "جب بھی آپ کسی ایسی قدر پر نصیحت کرتے ہیں جسے آپ خود نہیں برتتے، تو آپ اس قدر کو کمزور کر دیتے ہیں۔ لیکن ہر مرتبہ جب آپ کسی قدر کا اعلان کیے بغیر اسے جیتے ہیں، تو آپ اسے تقویت دیتے ہیں۔"

جب میں نے اس پر غور کیا تو مجھے احساس ہوا کہ ہم کتنی کثرت سے کردار سازی کا کام الفاظ کے سپرد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم مہربانی کی باتیں کرتے ہیں جبکہ خود بے صبری کا نمونہ بنے ہوتے ہیں۔ ہم دیانتداری کا پرچار کرتے ہیں جبکہ خود اپنی سہولت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم احترام کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ دوسروں کی تحقیر کر رہے ہوتے ہیں۔ اور پھر ہم حیران ہوتے ہیں کہ بچے بدظن کیوں ہو گئے ہیں۔

انہوں نے دھیمی آواز میں اپنی بات ختم کی: "کردار خطبات سے نہیں، بلکہ گرد و پیش کے حالات سے بنتا ہے۔" اگر ہم چاہتے ہیں کہ بچے دیانت، وقار اور اخلاقی جرات جیسی صفات کے حامل انسان بنیں، تو ہمیں پہلے ان خصوصیات کو اپنے رویوں پر نافذ کرنا ہوگا— مستقل مزاجی کے ساتھ، اور چاہے ہم سے غلطیاں ہی کیوں نہ ہوں، مگر خلوص کے ساتھ۔

کیونکہ آخر کار، بچے وہ نہیں بنتے جو ہم کہتے ہیں کہ اہم ہے؛ وہ وہی بنتے ہیں جو وہ ہمیں بنتے ہوئے دیکھتے ہیں۔